© rasailojaraid.com

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

بحث تجدید و مجدد

(۹)

(سعید احمد)

اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سے ان پر جو انحطاط طاری ہونا شروع ہو گیا تھا وہ ۱۸۵۷ء کے بعد انتہا کو پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں ان کی معاشرتی حالت کیا تھی؟ اس کا اندازہ مولوی نذیر احمد دہلوی مرحوم کے ناولوں سے ہو گا۔ اور اقتصادی اور معاشی حالت کا علم مرزا غالب کے ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے اس ہنگامہ کے بعد اپنے خاص خاص دوستوں کو لکھے تھے اس کے علاوہ ڈاکٹر ہنٹر نے لارڈ میو کے ایما پر "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے نام سے ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب لکھی تھی اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین نے کیا ہے اور لاہور میں چھپا ہے اس کتاب کے چوتھے باب میں مصنف نے بتایا ہے کہ مسلمان کس درجہ پریشان حال تھے حکومت میں اہم اور غیر اہم عہدوں اور ملازمتوں کے دروازے ان پر بند تھے ملک میں ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا گیا تھا جس میں ان کے بچوں کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا قاضیوں کو موقوف کر کے ہزاروں خاندانوں کو جو اسلامی علوم و فنون میں درک رکھتے تھے بے کار اور کنگال بنا دیا گیا تھا اور مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر کے ان کی آمدنی غلط مصارف پر خرچ ہو رہی تھی ان کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ بنگال کے بڑے بڑے امیر اور شریف مسلمان جو عیش و عشرت اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے ان کی املاک و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں اور وہ نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی مفلوک الحالی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر کوئی سیاست داں انگلینڈ کے دار العوام میں سنسنی پیدا کرنا چاہتا تو اس کے لئے صرف یہ بات کافی تھی کہ وہ بنگال کے مسلمان خاندانوں کے سچے سچے حالات بیان کردے۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر جو بند کئے گئے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ۱۸۶۹ء میں اسسٹنٹ انجنیروں کے تین درجوں میں چودہ ہندو اور مسلمان صفر، اس عہدہ کی تعلیم پانے والوں میں ہندو چار، انگریز دو اور مسلمان صفر، سب انجنیروں اور سپروائزروں میں ہندو چوبیس اور مسلمان ایک، اوورسیروں میں ہندو تریسٹھ اور مسلمان دو۔ اکاؤنٹس کے محکمہ میں ہندو پچاس اور مسلمان صفر۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ان گزیٹیڈ ملازمتوں کا ایک نقشہ درج کیا ہے جو ۱۸۷۱ء میں ہندو، مسلمان اور انگریزوں پر صرف ایک صوبہ بنگال میں تقسیم کی گئی۔ اس نقشہ کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عدالت۔ فوج۔ پولیس۔ میڈیکل ڈپارٹمنٹ۔ پبلک ورکس۔ تعلیم۔ محاسبی۔ آبکاری رجسٹریشن۔ انکم ٹیکس وغیرہ ان سب محکموں میں چھوٹی اور بڑی دو ہزار ایک سو گیارہ اسامیاں تھیں جن میں سے ایک ہزار تین سو اٹھائیس اسامیوں پر انگریز اور چھ سو اکاسی پر ہندو مقرر کئے گئے اور مسلمانوں کے حصے میں بیانوے جگہیں آئیں اور وہ بھی بہت معمولی اور گھٹیا درجہ کی۔ متعدد محکموں کے بعض بڑے بڑے عہدے ایسے ہیں کہ مسلمان غریب کا ان میں گزر بھی نہیں (ص ۲۴۷)

آپ کا وقت تو صرف ہوگا اور دل کو دکھ بھی بہت ہوگا لیکن ذرا سینہ پر جبر کی سل رکھ کر ہنٹر کے مندرجہ ذیل دو اقتباسات بھی پڑھتے چلیے:۔

"ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا...... لیکن اب ان میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مسلمانوں اور ہندوؤں کا تناسب ایک اور سات کا، ہندوؤں اور یورپینوں کا ایک اور دو کا۔ مسلمانوں اور یورپینوں کا ایک اور چودہ کا اور تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت کی اجارہ دار تھی کم ہوتے ہوتے ایک اور تیئیس رہ گیا اور وہ بھی ان گزیٹیڈ ملازمتوں میں ہے جہاں تناسب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے پریذیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپراسی دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے والا کے سوا کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔"

چند سطر بعد پھر لکھتے ہیں:۔

"جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی وہ دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھے بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے۔ غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انھیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں۔" (ص ۱۴۹)

یہ حال تو بنگال کا تھا۔ اب اڑیسہ کے مسلمانوں کا حال بھی سن لیجئے اس کے لئے صرف اس درخواست کا ایک ٹکڑا نقل کر دینا کافی ہے جو مسلمانان اڑیسہ نے یہاں کے کمشنر کے سامنے پیش کی تھی وہ لکھتے ہیں:۔

"ہر میجسٹی ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ ملک کی سرکاری ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو اڑیسہ کے مسلمانوں کو روز بروز تباہ کیا جا رہا ہے اور ان کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی بھی پرسان حال نہیں اب ہماری حالت ماہیِ بے آب کی طرح ہو رہی ہے مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کی حضور میں پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ جناب عالی ہی اڑیسہ ڈویژن میں ہر میجسٹی ملکہ معظمہ کے واحد نمائندہ ہیں ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لئے تیار ہیں ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لئے مستعد ہیں ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کے لئے آمادہ ہیں بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں ۱۰ شلنگ (ھے روپیہ) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ڈبلو۔ ڈبلو ہنٹر اس درخواست پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"یہ فقرے اس درخواست سے لئے گئے ہیں جو کچھ عرصہ ہوا مسلمانان اڑیسہ نے کمشنر کے سامنے پیش کی ان پر تکلف فقروں پر ممکن ہے بعض لوگوں کو ہنسی آجائے مگر اس صوبہ کے سابق فاتحین کی آہ و زاری جس سے مجبور ہو کر انھوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں محض روٹی کے لئے التجا کی ہے۔ بڑی ہی افسوسناک ہے اور ہمیشہ انسان کو متاثر کرتی رہے گی" (ص ۲۵۵)

ڈاکٹر ہنٹر نے اگرچہ یہ رپورٹ بنگال کے مسلمانوں کے متعلق لکھی ہے جن سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حالت صرف اسی صوبہ تک محدود نہ تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں

"اگر میں دوسروں کو یہ یقین دلاؤں اور خود میرا بھی خیال ہو کہ یہ بیانات تمام مسلمانان ہند پر صادق آتے ہیں تو مجھے اس پر معاف فرمایا جائے" (ص ۲۳۲)

جب کسی قوم پر اقتصادی اور معاشی زبوں حالی و پراگندگی چھا جاتی ہے تو بحکم کاد الفقر ان یکون کفراً "اس کی اخلاقی، روحانی دینی اور معاشرتی حالت خود بخود بگڑ جاتی ہے اور اس کا قومی جسم انتہائی متعفن اور گندہ ہو جاتا ہے۔ پھر ۱۸۵۷ء کے بعد تو ان مسلمانوں پر دوہری مار پڑی پہلے قرآن کی اصطلاح میں ان کی حالت سرا کی تھی یعنی سیاسی اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا تو حکومت اور اقتدار کے نشہ نے ان میں چند در چند اخلاقی گمراہیاں پیدا کر رکھی تھیں کہ اب سیاسی زوال کے بعد ان کو "ضراء" سے دوچار ہونا پڑا تو اس نے رہی سہی کمی بھی پوری کردی" اور یہ "تن ہمہ داغ داغ شد" کا مصداق بن کر کہیں کے نہیں رہے۔ حالی اور نذیر احمد نے ان کی اس قابل صد شرم اور لائق ہزار افسوس حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ صرف شاعری ہے اور اظہار حقیقت و بیان واقعہ نہیں ہے انھیں حالات کو دیکھ کر سر سید احمد خاں نے غیرت و شرم کے مارے ایک مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ ہندوستان کو خیرآباد کہہ کر مصر میں جا بسیں لیکن بعد میں انھوں نے ارادہ بدل دیا۔ ایک لکچر میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ لیکن آخر میں نے فیصلہ کیا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں نہیں مجھ کو اس کی مصیبت میں شریک رہنا چاہئے۔ اور جو مصیبت پڑے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔

ہم جس عہد کا ذکر کر رہے ہیں یہ انیسویں صدی کے نصف آخر کا عہد ہے لیکن چونکہ ہمارے موضوعِ بحث کا تعلق انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کے تقریباً نصف اول تک کے عہد سے ہے اس لئے درجہ بدرجہ اس مدت میں مسلمانوں کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑا ان سب کو مختصراً پہلے اک ساتھ ہی سن لیجئے تاکہ پھر آپ کو ان تجدیدی کاموں کی اہمیت بھی محسوس ہو سکے جو اقتضاء حالات کے مطابق ظہور میں آتے رہے۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ان کی اقتصادی بدحالی دیکھ کر عیسائی مبلغین نے ہندوستان میں اپنا عمل دخل شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تو ان لوگوں نے تبلیغ عیسائیت اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور داعیِ اول اسلام کی نسبت بہتان طرازی اور الزام تراشی کا جال گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں پھیلا دیا جن لوگوں نے یہ مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں ان کا بیان ہے کہ حال یہ تھا کہ صبح اور شام جب دیکھو ایک مشنری اس سٹرک پر کھڑا تقریر کر رہا ہے۔ دوسرا ادر اس سے فاصلہ پر لوگوں کو کچھ پڑھا اور سمجھا رہا ہے۔ انجیل کے اردو اڈیشن تقسیم کر رہا ہے علاوہ بریں گھروں پر جا کر الگ مسلمانوں سے ملتے اور اپنے مذہب کی سچائی کا پرچار کر رہے ہیں۔

ایک طرف زبانی تبلیغ عیسائیت کرنے والے اس طرح اپنی مستعدی اور سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے اور دوسری جانب یورپ میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً کچھ کالجوں کے پروفیسر اور ارباب قلم تھے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نہایت زہریلی اور بِس بھری کتابیں لکھ رہے تھے اور اس منظم و مرتب پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ ایک جانب مسلمانوں کو اور اسلام کو یورپ میں عقل۔ اخلاق اور انسانیت کا دشمن ثابت کر کے اس قدر بدنام رسوا اور ذلیل کر دیا جائے کہ وہاں کسی شخص کو بھی ان کے ساتھ ہمدردی نہ رہے اور کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ہو جو ان کی زبوں حالی پر ترس کھائے اور دوسری جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلام سے دور اور عیسائیت سے قریب لانا ان کا مطمح نظر تھا چنانچہ سر ولیم میور کی رسوائے عالم کتاب اسی زمانہ کی منحوس یادگار ہے "حضرت مسیح کی ان بھیڑوں نے جو بھیڑیے بن کر اسلام اور مسلمانوں کے جسد ناتواں پر جھپٹ پڑے تھے اس وقت جو گندگی اور متعفن فضا پیدا کر دی تھی۔ سر سید احمد خاں جیسے ٹھنڈے دماغ کے انسان پر اس کا اثر یہ تھا کہ بقول ان کے مر جانے کو جی چاہتا تھا" میور کی مذکورۂ بالا کتاب شائع ہوئی تو سر سید اس زمانہ میں لندن میں تھے وہاں سے اپنے دوست نواب محسن الملک کو کس قدر درد انگیز خط لکھتے ہیں "ان دنوں میرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے دل کو جلا دیا۔ اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر میں جیسے کہ پہلے بھی ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر۔ بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو حاضر کرو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا"

"مارا ہمیں تحفۂ شاہنشہی بس ست"

انگریزی تعلیم کا دور شروع ہونے سے پہلے رونا اس کا تھا کہ مسلمان انڈو ایرانین تہذیب کے زیر اثر مشرکانہ عادات و اخلاق میں اس طرح جکڑ گئے تھے کہ ان کی معاشرت اور ان کے رہن سہن کا طور طریق بڑی حد تک غیر اسلامی ہو گیا تھا۔ شادی اور غمی مرنے اور جینے کی تمام تقریبات اسی مشرکانہ طریق زندگی کا مظہر ہوتی تھیں۔ عقد بیوگان کو حرام سمجھتے تھے۔ نماز روزہ کی پروا نہیں۔ لیکن عرس میں شرکت بزرگوں سے منتیں اور ان کی نذر و نیاز۔ تیجہ اور سوئم اور چہلم امام حسین کا فقیر اور بہشتی بننا۔ محرم کے دنوں میں سیاہ پوشی۔ بیاہ شادی کے موقع پر مہندی۔ مایوں۔ چوتھی۔ چالہ۔ آرسی مصحف یہ سب فرض عین۔ اسلام کی سادہ اور تعلیمات حقہ کا پتہ نہیں اور بدعات و محدثات کا گھر گھر چرچا۔ اب انگریزی تعلیم کا چرچا ہوا اور اس تعلیم کے جلو میں مغربی تہذیب و تمدن کی کار فرمائی بھی شروع ہوئی تو عقیدہ اور عمل کی گمراہی کا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ انگریزی زبان سے واقف ہونے کے بعد جو نوجوان مسیحی مصنفین یا مغرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے آزاد خیال ارباب قلم کی کتابیں پڑھتے تھے تو چونکہ ان کو براہ راست اسلام کی تاریخ اور اس کی دینیات و روایات سے واقفیت نہیں ہوتی تھی اس بنا پر وہ ان کتابوں کے اثرات کو فوراً قبول کر لیتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ معجزات کا انکار، شیطان اور جن و ملائکہ کے وجود کا انکار، جنت و دوزخ کا انکار۔ نماز اور روزہ کی بے توقیری ان کا شعار اور ان مسائل پر تمسخرانہ گفتگو ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا ایک طرف دین اور اس کے ارکان سے یہ بیزاری اور دوسری جانب صاحب بہادر بننے کا شوق۔ اردو میں بولنا ان کی شان کے خلاف۔ انگریزی میں گفتگو کرنا انگریزی طریقہ کا لباس پہننا، ان کی طرح رہنا سہنا اور اٹھنا بیٹھنا لائق فخر اور سرمایۂ نازش و مباہات۔

نوبت باینجا رسید کہ انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے معنی یہ ہو گئے کہ اس کو اپنے دین اور مذہب سے لگاؤ نہیں ہے اور اعتقاداً و عملاً وہ بہ نسبت مسلمانوں کے انگریزوں سے زیادہ قریب ہے مختلف کوششوں کے زیر اثر جن کا اجمالی ذکر ہم آئندہ کریں گے اس چیز میں اصلاح ہو گئی اور یہ صورت حال اس شدت کے ساتھ قائم نہیں رہی لیکن جنگ عظیم اول سے پوری دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا اور اس کے اثرات تمام عالم اسلام کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی اسلامی آبادی پر بھی پڑے۔ یہ اثرات ذہنی اور فکری بھی تھے اور اخلاقی اور روحانی بھی۔ ذہنی اور فکری اثر یہ تھا کہ دنیا یک بیک مادیت کی گود میں جا پڑی اور روحانی کیف و حظ کی کوئی اہمیت ہی نہ رہی، اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ اخلاقی پراگندگی اور انتشار کی صورت میں ظاہر ہوا اسی زمانہ میں کارل مارکس کی اقتصادیات و معاشیات کے نظریہ نے اور روس میں اس نظریہ کے کامیاب عملی تجربات نے قدیم افکار و آرا کی مقدس عمارتوں پر ایک زلزلہ طاری کر دیا اب معجزات اور جن و ملائکہ کے وجود کی بحثیں بعد از وقت اور غیر ضروری گفتگو تھیں اور سوال یہ تھا کہ دنیا میں حقیقی امن و عافیت قائم کرنے کے لئے کون سا نظام بہتر ہے یہ سوال آج اور زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے اور جب تک کہ ایک اور عظیم ترین جنگ اس کا فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک اس سوال کا کوئی آخری جواب غالباً نہیں مل سکیگا۔

بہرحال جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں جہاں تک اسلام اور مسلمانوں کا تعلق ہے اس کے حالات یہ تھے اب سوچنا چاہئے کہ ان حالات کے پیش نظر اسلام کی تجدید کے لئے کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا کیا ہوا؟

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com